جناب ثروت صولت

مفتی عالم جان بارودی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۲۱ء)

مفتی عالم جان بارودی روسی مسلمانوں کے ان رہنماؤں میں سے تھے، جن کی شہرت روس سے نکل کر پوری اسلامی دنیا میں پھیل گئی تھی۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمان بھی ان کے نام سے واقف تھے۔ علامہ اقبال کو ان کے اصلاحی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے خط مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں :

" میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان کے حالات " معارف " میں شائع کیے جائیں۔ مسلم اسٹینڈرڈ، لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کیے تھے۔ آج کے " معارف " میں میری آمدو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا۔ جزاک اللہ۔ " معارف " کا ایڈیٹر صاحب کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ حال کے روسی علما کی بعض تصانیف، اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیے "[1]

" معارف "، اعظم گڑھ میں یہ مضمون جس کا اقبال نے اپنے خط میں حوالہ دیا ہے، مئی ۱۹۲۲ء کی اشاعت (جلد ۹ نمبر ۵) میں شائع ہوا تھا۔ مضمون کا عنوان " علمائے روس " تھا اور اس میں من جملہ اور علما کے مفتی عالم جان بارودی کے حالات بھی تھے۔ " معارف " میں جو حالات شائع ہوئے تھے، ان کا مکمل متن حسب ذیل ہے۔

" سب سے آخر میں ہم کو مفتی عالم جان بارودی کا تذکرہ کرنا ہے۔ مرحوم نے اسی سال وفات پائی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ پیدا ہوئے تھے، بخارا میں تعلیم حاصل کی تھی۔ فراغت کے بعد قازان واپس آکر وہاں انھوں نے جدید طرز پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسے کا تمام نقشہ، نصاب اور طریق کار خود بنایا تھا۔ اس مدرسے نے بہت جلد ترقی کی، یہاں تک کہ ۱۸۸۰ء میں وہ قازان کی اسلامی یونیورسٹی کے

---

[1] اقبال نامہ : حصہ اوّل مرتبہ شیخ عطاء اللہ، ص ۱۱۸ (ناشر شیخ محمد اشرف، لاہور)

درجے کو پہنچ گیا تھا[۵۲] اور قازان کا صوبہ روسی صوبوں میں اسلامی علوم، اخلاق و معاشرت اور اصلاحات ترقیات کا مرکز بن گیا۔ مرحوم کی اس جدید طرز کی مذہبی درس گاہ نے روسی مسلمانوں کے انقلاب و ترقی میں نمایاں اثر پیدا کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس مذہبی یونیورسٹی کے ساتھ ایک سائنس کالج کا اضافہ کیا جس میں انھوں نے تمام ان جدید تعلیم یافتہ روسی مسلمانوں کو دعوت دی جنھوں نے ماسکو، سینٹ پیٹرسبرگ اور یورپ کی دوسری یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی[۵۳]۔ اس جواں مردانہ اور فیاضانہ طرز عمل نے بخارا کی قدیم درس گاہ مدرسۂ کلیہ عالیہ کے طرف داروں میں ایک ہیجان و اضطراب برپا کر دیا، لیکن مرحوم کے خلوص اور حسن نیت نے بہت جلد ان مشکلات کا خاتمہ کر دیا۔ روس، آذربائیجان ترکستان اور قازان کے دولت مند سوداگروں نے ان کی خاطر خواہ مالی اعانت کی۔ الغرض مفتی مرحوم کی کوششوں اور روسی مسلمانوں کی مالی اعانتوں نے قازان کو مدارس زنانہ، مکاتیب، مطابع اور دیگر علمی و عملی ترقیوں کا مرکز بنا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک یوروپین مدبر نے یہ شہادت دی کہ پادری پرست روسی عیسائیوں سے روسی مسلمان زیادہ یوروپین ہیں"[۵۴]

" مفتی مرحوم کی سرکردگی میں قازان کے مسلمانوں کی اس علمی و عملی جد و جہد و سرگرمی نے زار کی حکومت کو چونکا دیا اور اس نے بغیر کسی ضابطے اور قانون کے مفتی صاحب کو قید کرکے شمالی روس کے ایک شہر میں بھیج دیا۔ حکومت کی اس ظالمانہ کارروائی نے روس کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی۔ حکومت روس نے اس کی سخت اور غیر معمولی احتیاط کی کہ اس واقعے کی خبر دوسرے اسلامی ملکوں میں نہ پہنچنے پائے۔

---

۵۲ مضمون نگار کا یہ لکھنا کہ مفتی عالم جان نے یہ مدرسہ ۱۸۸۰ء میں قائم کیا۔ صحیح نہیں، وہ ابھی چوبیس سال کے نوجوان تھے اور بخارا میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنا مدرسہ ۱۹۰۱ء میں قائم کیا تھا۔ (ث-ص)

۵۳ ان اساتذہ میں سے ایک یوسف آقچورہ تھے، جنھوں نے پہلے روس اور پھر ترکی کی سیاست میں اہم حصہ لیا۔ (ث-ص)

۵۴ مفتی عالم جان بارودی کی خدمات قابلِ قدر ہیں لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ قازان کے علاقے میں یہ تمام تبدیلیاں صرف مفتی صاحب کی کوششوں سے آئیں۔ ان کوششوں میں دوسرے علما اور مصلحین خصوصاً شہاب الدین مرجانی (۱۸۱۵ء تا ۱۸۸۹ء)، حسین فیض خان (۱۸۲۱ء تا ۱۸۶۶ء) اور قیوم ناصری (۱۸۲۴ء تا ۱۹۰۲ء) کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اسی طرح کریمیا کے رہنما اسماعیل گسپرالی کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ (ث-ص)

مفتی صاحب کی قید سے قازان کی یونیورسٹی اور دوسری تحریکات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ وہ برابر ترقی کرتی رہیں۔ مفتی صاحب کی قید کی خبر جب سلطان عبدالحمید خاں کو پہنچی تو انھوں نے اس بارے میں فوری کارروائیاں کیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زار نے ان کو ٹرکی منتقل کر دیا[5] جہاں وہ ۱۹۱۱ء تک مقیم رہے اور یہیں سے بیٹھے بیٹھے انھوں نے روسی مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی تحریکیں جاری کیں اور ان کے اختلافات باہمی کو دور کیا تاکہ دوما (روسی پارلیمنٹ) میں روسی مسلمانوں کے حقوق کی متفقہ کوشش سے حفاظت ہو سکے۔"

"۱۹۱۱ء کے بعد جب وہ روس لوٹ کر آئے تو تعلیمی تحریکوں کو چھوڑ کر انھوں نے سیاسی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا اور ایک دیمقراطی فرقہ (ڈیموکریٹک پارٹی) قائم کیا اور اس فرقے کی ترقی و اشاعت میں بڑی کوششیں کیں اور اسی کا اثر یہ ہوا کہ تاتاری مسلمانوں میں جمہوری خیالات نے مقبولیت حاصل کی اور آل رشیا مسلم ڈیموکریٹک پارٹی قائم ہو گئی ہے[6] ۱۹۱۷ء میں جب روس میں انقلاب ہوا اور بالشویزم کا ظہور ہوا تو مفتی صاحب بھی روسی مسلمانوں کو لے کر آگے بڑھے اور اس انقلاب کا خیر مقدم کیا۔ مسلمانوں نے ان کو روسی گورنمنٹ میں مفتیِ اعظم کے عہدے کے لیے منتخب کیا اور حکومت نے اس کو قبول کیا اور اس کے بعد اسلامی روسی مجلس کے وہ صدر قرار پائے۔ بالآخر ان کے روز افزوں اثر کو دیکھ کر بالشویکوں نے ان کو قید کر دیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو آزاد کر دیا۔ آج کل جب کہ روس کا ملک قحط سے تہ و بالا ہو رہا ہے وہ ماسکو اس غرض سے گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کی امداد و اعانت کی تدبیریں اختیار

---

[5] سلطان عبدالحمید کی مداخلت کا معاملہ تحقیق طلب ہے۔ مفتی صاحب کی گرفتاری ۱۹۰۸ء میں عمل میں آئی تھی اور مارچ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید معزول کر دیے گئے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا مفتی صاحب ۱۹۱۱ء تک روسی شہر (VOLOGODSK) میں جلاوطن رہے۔ (ش۔ص)

[6] معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مضمون نگار کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آل رشیا مسلم ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے مسلمانوں نے کوئی جماعت نہیں بنائی تھی۔ ہاں ۱۹۰۵ء کے آئینی انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ اور ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد دوسری مرتبہ مسلمانوں کے کئی بڑے بڑے اجتماعات مختلف اوقات میں ہوئے جن کو کل روس مسلم کانگریس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے ۲۸ اگست ۱۹۰۵ء کی پہلی کل روس مسلم کانگریس میں مسلم مشروطی خلق پارٹی یعنی آئینی عوامی مسلم پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا جسے تشکیل کے بعد "روسیا مسلمانلری اتفاقی" یعنی روسی مسلمانوں کی یونین کا نام دیا گیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے کوئی پارٹی قائم نہیں کی۔ (ش۔ص)

کریں، مگر حقیقت میں وہ سفرِ آخرت کا پیش خیمہ تھا- چنانچہ اسی سفر میں ماسکو میں انھوں نے وفات پائی - تمام روسی مسلمانوں میں ان کی وفات پر ماتم برپا ہے "۔ (معارف ۱۹۲۲ء)

"معارف" میں شائع ہونے والے مذکورہ بالا مختصر مضمون کے بعد اب ذیل میں مفتی عالم جان بارودی کے مفصل حالات[۵۴] پیش کیے جاتے ہیں -

عالم جان بارودی

عالم جان بارودی شہر قازان یا کازان کے نواح میں ایک گاؤں میں جسے روسی زبان میں (PORO - HOVAYA SLOBODA) کہا جاتا تھا، ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے[۵۵]۔ اس بستی میں ایک بارود خانہ واقع تھا اور

---

۵۴ یہ حالات بڑی حد تک قازان ہی کے ایک مہاجر اہلِ قلم عبداللہ بطال تائماس (TAYMAS) کے ایک مضمون پر مبنی ہیں جو انھوں نے میونخ (جرمنی) سے شائع ہونے والے ترکی زبان کے ایک رسالہ درگی (DERGI) شمارہ نمبر ۱۳ ۱۹۵۸ء میں لکھے تھے - یہ غالباً ان مضامین کا ایک حصہ ہے جو بعد میں عبداللہ بطال نے قازان کے ترک مشاہیر (KAZANLI TURK MESHURLARI) کے نام سے ۱۹۵۹ء میں استنبول سے شائع کیے اور جسے میں حاصل نہ کر سکا- یہ کتاب بہت اہم ہے اور حسبِ ذیل مشاہیر کے سوانح پر مشتمل ہے۔

رضا الدین ابن فخر الدین، موسیٰ جار اللہ، عالم جان بارودی، صدری مقصودی اور ان کے بھائی ہادی مقصودی -

عبداللہ بطال روسی مسلمانوں سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں سے ایک اہم کتاب "کازان کے ترک" (KAZAN TURKLERI) ہے جسے ترکی ثقافت کے تحقیقاتی انسٹی ٹیوٹ نے ۱۹۶۶ء میں انقرہ سے شائع کیا- یہ کتاب میرے پاس ہے اور میں نے اس کتاب سے بھی استفادہ کیا ہے- ان کے علاوہ مذکورہ بالا انسٹی ٹیوٹ کے جریدہ (CULTURA TURCICA) میں روس کی مذہبی نظامت کے موضوع پر شائع ہونے والے ایک مضمون سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو جریدے کی جلد اوّل شمارہ اوّل ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا ہے اور ایک ممتاز تاتاری اہل قلم اے حکیم اوغلو نے لکھا ہے- اے حکیم اوغلو دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ہجرت کرکے ترکی آ گئے ہیں اور مذکورہ بالا انسٹی ٹیوٹ کے مختلف رسالوں میں پابندی سے لکھتے رہے ہیں- ان ماخذ کی مدد سے میں نے عالم جان بارودی کے جو حالات لکھے ہیں ان میں اور "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہونے والے مضمون میں کہیں کہیں فرق ہے جس کی نشان دہی حاشیے میں کر دی گئی ہے۔

۵۵ معارف میں شائع ہونے والے مضمون میں سن پیدائش ۱۸۵۶ء دیا گیا ہے- ممکن ہے یہ فرق سن ہجری کو سن عیسوی سے تطبیق دینے میں پیدا ہو گیا ہو جیسا کہ اکثر ترکی کتابوں میں دیکھا گیا ہے -

بارود کو روسی زبان میں POROH کہا جاتا ہے۔ بارودخانے کی اس نسبت سے اس بستی کو روسی میں پورو ہووایا سلوبودا یعنی بارودخانہ کا بیرونی محلہ یا مضافات کہا جاتا تھا۔ ترکی زبان میں چوں کہ بارود کو بارود ہی لکھا جاتا ہے، اس لیے مفتی عالم کو بارودخانے کی اس نسبت سے عالم جان بارودی کہا جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد ان کے والد محمد جان، شہر قازان میں منتقل ہوگئے، جہاں محلہ پیچہ بازار میں انھوں نے جوتوں کی ایک دکان کھول لی تھی۔ محمد جان چوں کہ اپنے بیٹے کو تاجر بنانے کی بجائے عالم بنانا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے عالم جان کو کازان کے ایک مدرسے میں داخل کر دیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد باپ نے ان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے بخارا بھیج دیا جو روسی سلطنت میں دینی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ۱۸۸۱ء میں جب کہ عالم جان کی عمر چوبیس سال تھی، وہ بخارا میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے وطن کازان واپس آ گئے، جہاں آق مسجد میں ان کا امام ثانی کی حیثیت سے تقرر ہوگیا۔ امام اوّل ایک دوسرے عالم تھے، جن کا نام یوسف تھا۔ واضح رہے کہ عالم جان بارودی کے چھوٹے بھائی صالح جان بھی کازان کے محلہ ینی بستہ میں ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے کازان کے ترکوں میں اصول جدید کی تحریک پھیلنا شروع ہوئی تھی اگرچہ اس کا آغاز کریمیا کے ممتاز مسلمان رہنما اسماعیل گسپرالی (GASPIR ALI) نے کیا تھا، لیکن اس کو حقیقی تقویت کازان کے ترکوں سے ملی اور اس تحریک کو مالی سہارا کازان کے تاجروں نے دیا۔ اس تحریک کے بنیادی اصول حسب ذیل تھے۔

۱۔ مدرسے کی تعلیم سے ابتدائی تعلیم کو الگ دیا جائے۔

۲۔ ابتدائی مدرسہ کے لیے تنخواہ دار معلم ہوں جن کا تعلق صرف مدرسہ سے ہو اور وہ دوسرے مشاغل اختیار نہ کریں۔

۳۔ حروف تہجی کی تعلیم ہجے کرانے کے قدیم طریقے پر نہ دی جائے بلکہ صوتی طریقہ استعمال کیا جائے۔

۴۔ تعلیم صرف کتابوں کے مطالعے تک محدود نہ ہو جیسا کہ قدیم طرز کے مدرسوں میں تھا، بلکہ طالب علم کو مضمون نگاری بھی سکھائی جائے۔

۵۔ نصاب تعلیم عمر کے لحاظ سے ہو اور درسی کتابیں نئے انداز پر مرتب کی جائیں۔

۶۔ لڑکیوں کو بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے لیے علاحدہ مدرسے قائم کیے جائیں اور ان میں دینی مضامین

پڑھائے جائیں جو لڑکوں کے مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

قدامت پسند حلقوں میں اس تحریک کی سختی سے مخالفت کی گئی، لیکن اصولِ جدید کی یہ تحریک بالآخر کامیاب ہوئی۔ عالم جان بارودی بھی اس تحریک کے حامیوں میں سے تھے۔ انھوں نے کازان آنے کے بعد ہی یہ طے کر لیا تھا کہ وہ قدامت پسند علما کے نقشِ قدم پر چلنے کی بجائے عبدالنصیر قرصاوی (۱۷۷۵ء تا ۱۸۱۳ء)، شہاب الدین مرجانی اور حسین فیض خاں کے بنائے ہوئے راستے پر چلیں گے۔ انھوں نے اس غرض سے ترکستان کا دورہ کیا اور وہاں کے علما کے سامنے تعلیمی نظام میں اصلاح کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیے اور ان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔ بالآخر عالم جان بارودی نے ۱۹۰۱ء میں شہر کازان میں جدید طرز کے ایک مدرسے کی بنیاد ڈال دی، جس کا نام انھوں نے اپنے والد محمد جان کے نام پر مدرسۂ محمدیہ رکھا۔ اس مدرسے میں وہ مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے، جن کو بہت سے اسلامی ملکوں کے دینی مدرسوں میں اب تک نظر انداز کیا گیا تھا یعنی قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ۔ مدرسے میں عربی زبان اور ادب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی تاکہ طالب علم قرآن اور حدیث کو اچھی طرح سمجھ سکے، ان کے علاوہ طبیعیات، ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کو بھی نصابِ تعلیم میں شامل کیا گیا۔ مدرسۂ محمدیہ میں ترکی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جو روس کے مسلمانوں کی قومی زبان تھی اور روسی زبان کی بھی، جو سرکاری زبان تھی۔

مدرسۂ محمدیہ کی شہرت جلد ہی زار روس کی سلطنت کے طول و عرض میں پھیل گئی اور یہاں نہ صرف کازان اور یورال کے علاقے کے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے، بلکہ شمالی قفقاز، سائبیریا اور ترکستان کے طلبا بھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کازان آنے لگے۔

اصولِ جدید کے تحت قائم ہونے والے مدرسوں میں پڑھانے کے لیے اساتذہ کی تربیت بھی ضروری تھی۔ چنانچہ کئی مدرسوں میں اساتذہ کی تربیت کا بھی انتظام تھا۔ ان مدرسوں میں اورنبرگ کا مدرسۂ حسینیہ، اوفا کا مدرسۂ عالیہ اور ویاٹکا (VIYATKA) کا بوبی مدرسہ قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن ان مدرسوں میں سرفہرست مدرسۂ محمدیہ تھا، جہاں عام تعلیم کے ساتھ اساتذہ کی تربیت بھی کی جاتی تھی۔

اصولِ جدید کے مدرسوں کے لیے نئی درسی کتابوں کی تیاری کا معاملہ بھی بہت اہم تھا۔ یہ کام کئی اہلِ قلم حضرات نے انجام دیا۔ ان میں احمد مقصودی، ہادی مقصودی اور شاکر جان طاہری کے نام نمایاں ہیں۔ لیکن اس میدان میں بھی عالم جان بارودی کا نام سرفہرست ہے۔ انھوں نے طلبا کو پڑھانے اور

اساتذہ کی تربیت کرنے کے علاوہ بکثرت درسی کتابیں بھی لکھیں۔

مدرسۂ محمدیہ کے اساتذہ میں یوسف آقچورہ (۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۴ء) کا نام اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انھوں نے روس کی سیاسی زندگی میں اور اس کے بعد جمہوریۂ ترکیہ کی ثقافتی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک مدرسۂ محمدیہ میں درس دیتے رہے ہے۔ مختصر یہ کہ بقول عبداللہ بطال، مصنف اور معلم حسین فیض خان نے جس قسم کے مدرسہ کا خواب پچھلی صدی میں دیکھا تھا، لیکن جس کو وہ عملی شکل نہیں دے سکے تھے، عالم جان بارودی نے مدرسۂ محمدیہ قائم کر کے اس خواب کی تعبیر پوری کر دی۔

عالم جان بارودی چالیس سال کی عمر کے بعد تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے نہ صرف یہ کہ شریعت اور طریقت میں مفاہمت پیدا کی بلکہ دین داری اور دنیا داری کے تقاضوں میں بھی آہنگی پیدا کی۔ وہ دین اور دنیا کو یک جا کرنا چاہتے تھے اور ان کے خیال میں طریقت اور ترقی پسندی میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

عالم جان بارودی کا قائم کیا ہوا مدرسۂ محمدیہ ۱۹۰۵ء تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ لیکن اس سال روس میں جو جمہوری انقلاب آیا اس نے آزادیِ افکار، آزادیِ اجتماع اور آزادیِ اظہار کے راستے کھول دیے۔ اس وقت تک قازان میں روسی مدرسوں میں تعلیم پائی ہوئی پوری ایک نسل تیار ہو چکی تھی۔ یہ نوجوان ترک نہ صرف مدرسوں کے انتظام سے متعلق بلکہ مسلمان معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے متعلق انتہا پسندانہ اصلاحات کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان میں مدرسۂ محمدیہ کے طالب علم بھی شامل تھے۔ مدرسہ کے منتظمین اور جان عالم بارودی سے جب طلبا کے اس گروہ کی کسی طرح مفاہمت نہ ہو سکی تو یہ گروہ مظاہروں کے بعد مدرسہ سے نکل گیا اور عبداللہ بطال کے الفاظ میں اس طرح جدیدیت اور طریقت کے درمیان وہ توازن بگڑ گیا جس کو قائم کرنے کی عالم جان بارودی کوشش کر رہے تھے۔

معلومات کی کمی کی وجہ سے ہمیں نہیں معلوم کہ توازن بگڑنے سے عبداللہ بطال کا مطلب کیا ہے۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کے بعد مدرسۂ محمدیہ میں صرف قدامت پسند یا صرف دینی تعلیم سے دلچسپی لینے والے طلبا رہ گئے۔ اگر ایسا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اسلامی دنیا کے کئی ملکوں میں جدید اور قدیم تعلیم یا دینی تعلیم کے ساتھ مروجہ دنیوی تعلیم دینے کے تجربے کیے جا چکے ہیں اور وہ مطلوبہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہمارے مصلحین اور ماہرینِ تعلیم مسلسل یہ غلطی کرتے چلے آ رہے ہیں کہ

وہ دینی مضامین اور جدید دنیوی مضامین کو مدرسہ کے نصاب میں شامل کرنے کے بعد یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انھوں نے دین و دنیا میں مفاہمت پیدا کر دی۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا کیوں کہ بہت سے دنیوی مضامین یعنی سائنس، فلسفہ، نفسیات، سیاسیات اور فلسفۂ تاریخ کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ ایسے مغربی نظریات کے تحت دی جاتی ہے جو اسلام کے بنیادی تصورات سے متصادم ہوتے ہیں۔ اس تعلیم کے ساتھ جب ایک طالب علم دینی تعلیم حاصل کرتا ہے جو صرف عقیدے اور مذہبی مسئلے مسائل تک محدود ہوتی ہے اور جدید مسائل سے اس کا تعلق نہیں ہوتا تو طالب علم نہ صرف دنیوی امور میں مغربی افکار سے رہنمائی حاصل کرنے لگتا ہے بلکہ دینی معاملات میں بھی شک و ریب میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ مغرب کے افکار بنیادی طور پر الحاد اور تشکیک کی طرف لے جاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک دنیوی امور اور جدید مضامین کی تعلیم اسلامی عقائد اور افکار کے تحت نہیں دی جائے گی، یہی نتیجہ نکلتا رہے گا جو ۱۹۰۵ء کے بعد مدرسۂ محمدیہ میں نکلا اور اس کے بعد اسلامی دنیا کے بہت سے ملکوں میں نکلتا رہا ہے۔

ان باغی طلبا میں جو مدرسۂ محمدیہ سے نکلے بعد میں کئی ممتاز اہل قلم ہوئے۔ مثلاً خواجہ زادہ فاتح امیرخان، جنھوں نے بڑے خوب صورت افسانے اور ڈرامے لکھے، علی اصغر کمال جو دلکش طربیہ ڈراموں کے خالق ہیں۔ برہان مشرف، جنھوں نے صحافت میں نام پیدا کیا اور ڈرامہ نویس کریم تنجورہ وغیرہ۔ یہ طلبا اپنے نظریات میں بڑی حد تک ہمارے ملک کے ترقی پسند اشتراکی ادیبوں سے مشابہ تھے۔ انھوں نے جمعیت اصلاح کے نام سے ایک انجمن قائم کی اور الاصلاح کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔

طلبا کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے عالم جان بارودی کے ساتھ تعاون کیا۔ ان طلبا میں سے کئی بعد میں خود عالم جان بارودی کے اصرار پر اعلیٰ تعلیم کے لیے استنبول چلے گئے اور وہاں مختلف حیثیت سے امتیاز حاصل کیا اور پھر روس واپس نہیں آئے۔

عالم جان بارودی کو اس کے بعد مشکل حالات نے آگھیرا۔ مغرب پسندوں کے علاوہ قدامت پسند علما بھی ان کی مخالفت کر رہے تھے اور ان کے افکار اور اصلاحات کو دین و شریعت کے خلاف قرار دے رہے تھے۔ روسی حکومت بھی ان کی سرگرمیوں کو شکوک کی نظر سے دیکھتی تھی۔ زار کی حکومت قدیم طرز کے دینی مدرسوں کو اپنے لیے خطرہ نہیں سمجھتی تھی، اس لیے کہ ان مدرسوں کے طلبا صرف مذہبی امور تک خود کو محدود رکھتے تھے اور ان سے کسی انقلابی تحریک کے شروع ہونے کا خطرہ نہیں تھا۔ لیکن جب عالم جان بارودی نے ان مدرسوں

میں جدید مضامین کی تعلیم بھی شامل کی تو حکومت کے کان کھڑے ہوگئے کیونکہ اس قسم کے مدرسے سیاسی بیداری کا پیش خیمہ ہو سکتے تھے۔ قدامت پسندوں کا ایک گروہ اس حد تک چلا گیا کہ وہ حکومت کی طرف سے جاسوسی کرنے لگا، اور عالم جان بارودی کے خلاف حکومت کو اطلاعات فراہم کرنے لگا۔ ان سازشوں کے نتیجے میں روسی حکومت نے ۱۹۰۸ء میں ان کو گرفتار کر لیا اور سائبیریا میں دولوگوڈسک (VOLOGODSK) کے مقام پر جلا وطن کر دیا جہاں وہ ۱۹۱۱ء تک رہے۔ ان کی غیر حاضری میں ان کے شاگردوں میں سے احمد جان مصطفیٰ اور شہیر شرف نے مدرسۂ محمدیہ کا انتظام چلایا اور بارودی کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھنے سے بچائے رکھا۔

مئی ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد جب روسی مسلمانوں کی پہلی کانگریس کا اجتماع ماسکو میں ہوا تو اس میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ مسلمانوں کی مذہبی نظامت، جو ملکہ کیتھرائن دوم کے زمانے سے قائم تھی، مسلمانوں کی خواہش کے مطابق از سر نو تشکیل کی جائے اور اس کے تمام ارکان اور اس کا رئیس مسلمانوں کا منتخب کردہ ہو۔ چنانچہ کانگریس کے نوسو ستر مندوبین نے جان عالم بارودی کو اتفاق رائے سے دینی نظامت کا مفتی اور رئیس منتخب کیا۔ کانگریس نے نظامت کے ارکان کو بھی منتخب کیا۔ یہاں یہ اطلاع قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ کانگریس نے دینی نظامت کے لیے جن ارکان کا انتخاب کیا، ان میں ایک خاتون مخلصہ بوبی (BUBI) بھی شامل تھیں۔ یہ پوری اسلامی دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔[9]

جولائی ۱۹۱۷ء میں کازان میں مسلمانوں کی دوسری کانگریس ہوئی جس میں ایدل یورال یعنی کازان اور باشقردستان کے علاقے میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا اور مفتی عالم جان بارودی کو اس ریاست میں وزارت مذہبی امور کا سربراہ مقرر کیا گیا، لیکن اپریل ۱۹۱۸ء میں کمیونسٹ حکومت نے اس خود مختار ریاست کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد جب ایدل یورال کا علاقہ مختلف طاقتوں کی کشمکش کا مرکز بنا تو مفتی عالم جان بارودی نے سیاسی معاملات سے حتی المقدور الگ رہنے کی کوشش کی۔ جون ۱۹۱۹ء میں جب کمیونسٹوں نے اس علاقے پر مستقل طور پر قبضہ کر لیا تو مفتی صاحب اس وقت شہر اوفا میں تھے۔ کمیونسٹوں نے ان کو اور مذہبی نظامت کے تمام ارکان کو گرفتار کر لیا اور مذہبی نظامت کو توڑ دیا۔ اس پر مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا، جس کے بعد کمیونسٹوں نے ۱۹۱۹ء کے آخر میں مفتی عالم جان بارودی اور

---

۹ عبداللہ بطال: کازان تورکلری ص ۱۸۸

ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا اور مذہبی نظامت کو بھی بحال کر دیا، لیکن اب مذہبی نظامت کا دائرہ کار صرف ایدل یورال کے علاقے تک محدود کر دیا گیا اور مذہبی نظامت سے آہستہ آہستہ اختیارات چھین کر اس کی وہی شکل کر دی گئی جو زار کے دور میں تھی۔

زار کے دور میں یہ نظامت وزارتِ داخلہ کے تحت ہوتی تھی اور اس کے عہدے دار سرکاری عہدے دار کی حیثیت رکھتے تھے اور ان پر روس کی خفیہ پولیس کی اتنی سخت نگرانی ہوتی تھی کہ نظامت مسلمانوں کے دینی مفاد کی نگرانی نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ اس نظامت کو مسلمانوں کی دینی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اب اپنی نئی شکل میں یہ نظامت اشتراکی مفادات کی نگران بن گئی۔ لیکن مفتی عالم جان بارودی کا خیال ہے کہ شاید وہ اب بھی مسلمانوں کی کوئی خدمت کر سکیں، نظامت سے علاحدہ نہیں ہوئے۔

جنوری اور فروری ۱۹۲۰ء میں تاتاریوں اور باشکردوں (باشقردوں) نے اشتراکی آمریت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں کئی سو علما جنھوں نے کمیونسٹوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا، بورژوا قوم پرستی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد جب اشتراکی اقتدار مستحکم ہو گیا تو حکومت نے اوفا میں جو نظامت کا مرکز تھا، مذہبی نظامت کی ساری جائیداد ضبط کر لی۔

۱۹۲۱ء میں دریائے والگا کی وسطی وادی اور یورال کے مسلم علاقوں میں سخت قحط پڑا۔ عالم جان بارودی نے اپنے ہم وطنوں کے لیے خوراک فراہم کرنے کے کام کو منظم کیا اور وہ اس غرض سے ماسکو گئے ہوئے تھے کہ ۶ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ روس کی کمیونسٹ حکومت نے ان کی موت پر اطمینان کا سانس لیا۔ اشتراکی اخباروں نے ان کی موت کی خبر کو بالکل نظر انداز کر دیا، لیکن روس کے باہر اسلامی دنیا میں ان کی موت کو بہت بڑا حادثہ سمجھا گیا اور اخباروں نے ان کی خدمات پر خصوصاً تعلیمی میدان میں انھوں نے روسی مسلمانوں کی جو خدمت کی، اس پر ان کو خراجِ تحسین ادا کیا۔

مفتی عالم جان بارودی نے دو شادیاں کی تھیں۔ دوسری شادی پہلی بیوی کی موت کے بعد کی تھی۔ اس دوسری بیوی کا نام عائشہ تھا۔ لیکن اولاد کسی بیوی سے نہیں ہوئی۔

[ثروت صولت کی زیرِ طبع کتاب "روسی ترکستان" کا ایک باب]